کسی کے ساتھ سانپ بن کر رہتا ہے تو کسی کے لیے کینچوے دے بدتر ہے بدی اور نیکی روز ازل سے اس کے اندر دو پانیوں کی طرح رہتی ہے ساتھ ساتھ ملی جلی علیحدہ علیحدہ جیسے دل کے تیسرے خانے میں صاف اور گندہ لہو ساتھ ساتھ چلتا ہے..... وہ تو ہمیشہ ڈھلتا ہے ہمیشہ بدلتا ہے کہیں قیام نہیں کہیں قرار نہیں وہ ایک زندگی میں ایک وجود میں ایک عمر میں لاتعداد روحیں ان گنت تجربات اور بے حساب نشوونما کا حامل ہوتا ہے اس لیے افراد مرتے ہیں انسان مسلسل رہتا ہے ہم جنگل والے سیدھے ہیں ہماری سرشت طے ہے ہم اس تہہ در تہہ کو نہیں سمجھ سکتے ہمیں انسان کے پرت کھولنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا..... وہ رزق حرام سے دیوانہ ہو کہ تضاد سے عشق لاحاصل سے کہ تلاش بے سود سے ہم جس کی سرشت کو نہیں سمجھ سکتے اس کی دیوانگی کا بھید ہم پر کیا کھلے گا..... بہتر ہے کہ ہم اس باب کو بند کر کے صرف راجہ گدھ کے مسئلے پر توجہ دیں۔"

اس وقت ایک مینا اٹھی اور بولی..... "انسان کے ساتھ میری پہچان بھی پرانی ہے..... اگر تضیع اوقات نہ ہو تو کچھ عرض کروں۔"

چیل ٹولی سے نفی کی آوازیں اٹھی لیکن سرخاب نے اجازت دے دی۔

مینا گویا ہوئی..... "میں جانتی ہوں آقا! انسان خود اپنی وحدت کی تلاش میں ہے اور وہ اپنی وحدت کو اس لیے تلاش نہیں کر سکتا کہ وہ ساری زندگی آرزوؤں کے جنگل میں سے گزرتا ہے آرزوؤں کے جنگل کی سرشت کا یہ عالم ہے جیسے ایک آئینہ ٹوٹ کر ہر ٹکڑے میں ایک ہی عکس دینے لگے..... جن انسان ایسے جنگل سے گزرتا ہے آقا تو باوجود یکہ ہر ٹکڑے میں اس کا اپنا عکس ہوتا ہے لیکن ہزارہا آئینے کے ٹکڑے اسے اپنے وحدت سے ملنے نہیں دیتے اس جنگل کا عجیب شعور ہے یہاں آرزو کی ناکامی ہو کہ آرزو کی بارآوری..... کثرت موجود رہتی ہے اسی کثرت کی وجہ سے انسان کبھی اپنی وحدت سے دوچار نہیں ہو سکتا۔

مجھے ایک واقعہ پیش آیا میں وہ بیان کرتی ہوں شاید انسان کی سرشت کا کچھ سراغ اس سے لگے آج سے دو ہزار سال پہلے سائپرس کے ملک میں ایک بادشاہ رہتا تھا وہ ہفت اقلیم کا مالک تھا صبح خیزی اس کی عادت تھی کجروم اپنے براق برق رفتار گھوڑے پر سوار ہوتا اور جنگل کے باسیوں کے ملنے چلا جاتا اسے جانوروں کی بولی سے شغف تھا دن کا وقت وہ راج پاٹ کے کاموں بسر کرتا لیکن دوپہر ڈھلتے ہی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہ پھر پہاڑوں میں نکل جاتا اور پہاڑوں سے گفتگو کرتا رہتا۔ دن ڈھلے گھر آتا تو تھکا ہارا ایک ایسے کمرے میں استراحت کرتا جس کی دیواریں چھت فرش تمام چھوٹے چھوٹے آئینوں سے مزین تھے۔"

وہ حسن میں اس قدر لاثانی تھا کہ آدھی رات کو میں نے اس کے بستر کے گرد ملائکہ کو طواف کرتے دیکھا ہے۔ اسے سحر آتا تھا آرزوؤں کی تکمیل کا سحر ادھر خواہش کا بیج اس کے دل میں پڑتا ادھر وہ اس سحر کی بدولت حصول آرزو میں کامیاب ہو جاتا۔

اس کے حرم میں دس ہزار پری جمال دوشیزائیں تھیں۔

اس کے خزانے نے بارہ سالوں میں بھی نہ دیکھے جا سکتے تھے۔

اسے آنے والے واقعات کا پہلے سے علم ہو جاتا تھا۔

وہ چہرے سے دل کا حال معلوم کرنے میں لاجواب تھا۔

اسے جڑی بوٹیوں کا مکمل علم حاصل تھا۔

لیکن رفتہ رفتہ اس نے اپنے برق رفتار گھوڑے پر سوار ہونا چھوڑ دیا اور سحر خیزی کی عادت ترک کر دی۔ پھر اس نے اپنے برق رفتار گھوڑے کو بھی ایک اصطبل کے حوالے کر دیا اور خود اپنے آئینے خانے میں اکیلا رہنے لگا۔ چونکہ میں آئینے خانے میں مثل قطب نما رہتی تھی اس لیے سارا سارا دن اسے ملول دیکھ کر میرا دل پھٹنے لگتا میں اسے دور دراز کے ملکوں میں بسنے والی خوبصورت دوشیزاؤں کے جمال کی باتیں

سناتی لیکن وہ کروٹ بدل کر کہتا..... ''مجھ سے حسن ناپائیدار کی بات نہ کرنا مینا۔ کبھی تو نے ایسی عورت دیکھی جو بوڑھی نہ ہوئی۔؟''

میں اس سے دوسرے ملکوں کے عجائبات کی بات کرتی تو وہ کہتا..... ''عجائبات وقتی کرشمہ ہیں ان کو مسلسل دیکھو تو عجائبات نہیں رہتے!''

رفتہ رفتہ وہ ہر طرح کے عیش سے متنظر رہنے لگا ہفتے میں ایک بار جو کی روٹی کھاتا قلیل الطعام، قلیل الانام قلیل النوام اپنے پر ایسی پابندیوں کا شکنجہ کس لیا کہ اس کی رعایا کا مفلوک الحال فقیر بھی حالت میں اس سے بہتر ہو گیا۔

ایک رات جب پورا چاند چڑھا اور ہر آئینے میں بادشاہ کی صورت منعکس ہوئی۔ میں نے جرائت کر کے اس سے پوچھا..... ''اے شاہ سچ سچ بتا تجھے کیا ہوا ہے؟'' کہنے لگا..... ''اے مینا! میں اپنی رنگا رنگی سے اکتا گیا ہوں آرزو کی ناکامی ایک حجاب ہے لیکن آرزو کی بار آوری دوسری قسم کا ایک پردہ ہے میں اپنے میں دو راستے دیکھنا نہیں چاہتا میں اس قدر تنہا ہونا چاہتا ہوں کہ مجھ میں صرف ایک رنگ رہ جائے دیکھتی نہیں کہ میں نے ہر ذی روح کو چھوڑ دیا نباتات جمادات مجھ سے چھوٹ گئے میں نے بدی کی ساری پنیرا کھاڑ پھینکی تا کہ نیکی کا خاکستر رنگ میری ذات کو ایک رنگ میں رنگ دے میں اپنی تنہائی کی ایسی اکائی تلاش کر رہا ہوں جہاں بنانے والے کو مجھ پر ترس آجائے اور پھر میری وحدت کی بیچارگی کو وہ اپنی وحدت میں سمو لے گا..... میں اپنی وحدت کی تلاش میں ہوں تا کہ اس کی وحدت کی پہچان سکون جو ہمیشہ تنہا رہتا ہے اور جسے زوال نہیں۔''

دوسری صبح جب اس کا برق رفتار گھوڑا کھڑکی کے پاس آکر ہنہنایا تو میری آنکھ کھلی وہ مر چکا تھا اس نے اپنے خنجر سے خودکشی کر لی تھی ہر آئینے میں ایک خنجر کا عکس تو موجود تھا لیکن کسی شیشے میں اس صاحب جمال کا عکس نہ تھا اس کی خودکشی..... خودکشی جو دیوانگی کی دوسری شکل ہے..... کیا اس کی سرشت کی وجہ سے نہ تھی۔ کیا اس دیوانگی

کا تعلق اس تلاش سے نہ تھا جو کثرت میں وحدت کی تلاش کرتی ہے؟۔

اس وقت چیلوں کے ہراول دستے میں دھماکہ خیز شور ہوا۔

ایک بوڑھی لقوہ زدہ چیل نے اٹھ کر کہا..... ''آقا! ہم ان مباحثوں سے بد دل ہو چکے ہیں جو گھوم پھر کر انسان کی سرشت کے گرد گھومتے ہیں تجھ کو اگر انصاف کرنا ہو تو کرو ورنہ ہم چلے..... تمام گدھ جاتی منقار زیر پر بیٹھے تھے۔''

''بول راجی گدھ..... کیا تجھ پر جو الزام لگا ہے درست ہے۔''

''الزام درست ہے لیکن میں خود نہیں جانتا کہ مجھ میں دیوانگی کے آثار پہلے پیدا ہوئے کہ میں نے رزق حرام کی طرف پہلے قدم اٹھایا..... پتہ نہیں مردار کھانے سے میری روح ملوث ہوئی کہ میری روح کو گھن لگ چکا تھا اس لیے میں نے رزق حرام کھایا؟۔''

چیل ملکہ چلائی..... ''ہم اسے برسوں سے دیکھ رہے ہیں اس کا دیوانہ پن بڑھ رہا ہے..... تو ہمیں باتوں میں نہ بہلا ہم سب جانتے ہیں ایک دن یہ تمام پرندوں کو نیست و نابود کر دے گا۔''

گیدڑ نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ صلح کے انداز میں پھرا کر کہا..... ''حضور! یہ بات طے کیجئے کہ کیا راجہ گدھ اپنی سرشت سے مجبور ہو کر رزق حرام کھاتا ہے کہ یہ اس کی اپنی اختراع ہے اپنی عقل کا کرشمہ۔؟''

''راجہ گدھ سے پوچھا جائے..... ''فاسفورس کی بتی تین بار بجھی۔''

سرخاب نے راجہ گدھ کو مخاطب کر کے پوچھا..... ''کیا تو بتا سکتا ہے کہ اولا تیری سرشت کیا تھی۔''

راجہ گدھ نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

''آقا! یہ اپنی اولین سرشت کو بھول چکا ہے!'' گیدڑ نے التجا کی۔

سرخاب نے سخت لہجے میں سوال کیا..... ''تو یہ بتا کیا تجھ میں انسان کی طرح

تضاد کا خمیر موجود ہے؟"

"نہیں..... فاضل سرخاب نہیں۔"

"کیا عشق لاحاصل کے آب حیات سے تجھے گوندھا گیا۔"

"نہیں بڑی شان والے میری سرشت میں عشق کا عرفان شامل نہیں۔"

"تو کیا تو تھکا دینے والی جستجو کا حامل ہے؟ کیا تیری سرشت میں ایسی تلاش ہے جو زمان و مکان سے پرے کھینچتی ہے ایسی تلاش جو کثرت میں وحدت کی متلاشی رہتی ہے۔"

"کیا تو بے نشان منزلوں کی تلاش میں دیوانہ ہوا؟"

"نہیں..... کھلیانوں کے پاسبان ایسا نہیں۔ میری سرشت کو تلاش سے کوئی سروکار نہیں۔"

"پھر یہ بات طے ہے کہ تو مردار کھانے کے باعث دیوانہ گردانا گیا؟"

"شاید۔"

فاسفورس کی باطنی روشنی تین بار گل ہوئی اور سیمرغ کی گرجدار آواز آئی..... "راجہ گدھ الزام تجھ پر ثابت ہوا ہی چاہتا ہے تجھے اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہو تو کہہ۔"

گدھ مردار کھاتے ہیں

وہ جانے زیست کے کس موڑ پر رزق حرام سے شناسا ہو چکے تھے۔

ان کی اڑانیں شاہین سے بھی زیادہ تھکا دینے والی تھیں۔ گیدڑ نے تالی بجا کر کہا..... "اس کی صفائی میں جو کچھ کہوں گا میں کہوں گا آقا!"

لیکن گدھ نے اپنی گردن زمین پر رکھ کر عرض کی..... "نہیں اپنی صفائی میں جو کہوں گا میں خود کہوں گا۔"

سرخاب نے زور سے سانس لے کر کہا..... "دیکھ راجہ گدھ الزام کی نوعیت بدل چکی ہے اگر تو نے کوئی تشفی آمیز جواب دے سکا بری الذمہ ہو جائے گا اگر تیرے

جواب سے حاضرین کی تسلی نہ ہو سکی تو تجھے جنگل بدر کا حکم سننا ہو گا۔

بتا بول..... کیا تو نے اپنے ماحول سے خائف ہو کر اپنے آپ کو بدلا..... کیا تو نے انسان کی تقلید میں اپنی سرشت بدلی؟..... کیا..... وجہ تھی کہ تو نے اللہ کی دی ہوئی سرشت پر قانع نہ رہا اور مردار کھانے پر مجبور ہوا؟۔"

گیدڑ نے راجہ گدھ کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ آنکھیں بند کر کے گویا ہوا ....."آقا میں بھی تمام پرندوں کی طرح یکسر معصوم تھا اور اپنی سرشت بھر نیکی اور بدی کے سہارے زندگی بسر کر رہا تھا۔ میرے اندر اپنے متعلق کوئی شبہ موجود تھا نہ اپنے گرد و پیش کے متعلق کوئی تجسس لیکن جس درخت پر بیٹھ کر میں شکار کے لیے نگاہیں دوڑایا کرتا اس کے نیچے ایک جوگی نے آ کر بسیرا کر لیا اس کے تن پر بھبھوت کے علاوہ کوئی لباس نہ تھا رفتہ رفتہ اس کی ڈاڑھی اس قدر لمبی ہو گئی کہ وہ برگد کی جڑوں میں بیٹھا درخت کا ایک حصہ نظر آنے لگا..... وہ سارا دن نگاہیں آسمان پر جمائے دیکھتا رہتا میں اس کی شخصیت سے اس درجہ مغلوب ہوا کہ میں نے اپنی تھکا دینے والی اڑانیں ترک کر دیں اور پہروں اسے دیکھنے کا کسب اختیار کیا

ایک روز اس نے مجھے نیچے اترنے کا اشارہ کیا اور ہم دونوں بغیر آواز کے آپس میں باتیں کرنے لگے اب ہمارا معمول ہو گیا کہ ہم دونوں روز کچھ دیر کے لیے یکجا ہوتے۔ وہ مجھے زندگی کے کئی بھید بتاتا اور میں اسے جنگل کی زندگی کے راز سمجھاتا وہ آرزو کے جنگل سے نکل تو آیا تھا لیکن تمام آرزوؤں سے چھٹکارا پا لینے کے بعد اب وہ ابدیت کے خواب دیکھنے لگا تھا وہ خدا کی طرح مستقل ہونا چاہتا تھا ہر صبح جب موت اپنے ترشول لے کر آتی اور برگد کے درخت کے سامنے ترشول پر اپنا سرخ ہاتھ رکھ کر پوچھتی..... چلتا ہے کل آؤ تو جوگی ہنسنے لگتا اور کہتا..... جا اپنا کام کر تو مجھے کیا مارے گی۔"

جب موت بہت اصرار کرتی تو جوگی کہتا جسم لے جاتی ہے تو لے جا!

موت کچھ اور تقاضے کرتی۔

میں اس کی یہ جنگ روز دیکھتا۔

رفتہ رفتہ موت کے آنے پر جوگی چھپنے لگا۔ جب وہ چلی جاتی تو جوگی مجھے بلاتا۔ ہم دونوں بغیر آواز نکالے گھنٹوں باتیں کرتے۔ ان باتوں میں وہ مجھ سے ہر روز ایک بات ضرور کہتا کہ اس کی روح ہمیشہ رہے گی موس اس کی روح نہیں لے جاسکتی۔

ایک روز صبح کے وقت جب سورج ابھی اچھی طرح دریا سے اشنان کر کے نہ نکلا تھا جوگی برگد کے سرخت سے لٹکا ہوا تھا اس نے برگد کی لٹکتی جڑ سے پھندا لے کر جان موت کے سپرد کر دی تھی۔ میں اونچی شاخوں سے اترا اور میں نے اسے اس گرہ سے آزاد کرانے کی کوشش کی۔ میری چونچ اور پنجے گرہ کھولنے میں مصروف تھے جب اس کے لہو کی پتلی سی دھار میرے حلق میں داخل ہوئی۔

آدم زاد کا لہو۔!

''جوگی درخت سے اپنے بوجھ سمیت زمین پر جا گرا ایسے کہ میری چونچ اس کی گردن میں پیوست تھی اس وقت میری سرشت بدلی آقا! سوائے انسان کے کوئی موت سے خائف نہیں پہلی بار میں موت سے ڈرا..... اس روز کے بعد میں اونچے درختوں پر موت سے چھپ کر رہتا ہوں لیکن موت سے میرا رشتہ کچھ ایسے منسلک ہوگیا ہے کہ میرے جسم میں تمام لہو مردار جسم سے بنتا ہے میں موت کا دشمن اور موت ہی کا پروردہ ہوں۔''

''پھر؟..... پھر؟.....'' سارا جنگل گونجا۔

''اس وقعے کے بعد میری آنے والی نسلیں حرام کھانے لگیں میں دریائے نیل کے شمال میں آباد ہوگیا۔ مجھ سے پیدا ہونے والوں میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جس میں ایک بھی نر باقی نہ رہا۔ وشتے بھوگ کو انہوں نے شعوری طور پر زندگیسے نکال

دیا۔اس علاقے میں اڑنے والی مادہ گدھ جب بچہ پیدا کرنا چاہتی تھی تو ہوا میں دور تک اڑتی اڈھی اڑان میں واپس لوٹتے وقت خود بخود اس کا رحم کھل جاتا اور وہ ہوا اسے ایسے بار آور ہوتی جیسے درخت پورے پوا سے پولن لے کر بار آور ہوتے ہیں ہماری سرشت میں اس کے بعد تبدیلیاں آتی رہیں..... کچھ کا علم رہا کچھ تبدیلیوں کو ہم نے اپنی ازلی سرشت کا حصہ سمجھ کر قبول کرلیا۔حتیٰ کہ ہم پر دیوانگی کے دورے پڑنے لگے۔ہم اب موت سے گریزاں لیکن موت ہی کی تلاش میں رہتے ہیں مردار جانوروں سے زندگی کی حدت حاصل کرتے ہیں چند پرند کوئی موت سے آگاہ نہیں .....صرف انسان موت سے خائف رہتا ہے.....موت! اس کے لیے ایک حقیقت ہے آقا..... بچپن میں وہ باقی ذی روح کی طرح موت سے آشنا نہیں ہوتا لیکن جوں جوں وقت گزرتا ہے اور اس میں شعور پیدا ہوتا ہے وہ موت سے شناسا ہونے لگتا ہے ..... پہلے چھوٹی چھوٹی حقیقتیں کھلتی ہیں ناپائیداری..... بے ثباتی..... تبدیلی .....موسم بدلتا ہے تو وہ اندر ہی اندر ڈرتا ہے.....بچپن گزرتا ہے تو وہ غیر شعوری طور پر بچپین رہتا ہے.....محبوب کا رنگ روپ گہنا جائے تو وہ تلماتا ہے.....یہ تبدیلی ناپائیداری.....یہ احساس زیاں یہ سب چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں ہیں جو ایک منظر کی طرف کھلتی ہیں موت کا گھپ اندھیرا.....فنا کی آخری منزل.....جانور.....پرندے .....سب آزاد ہیں اس آرزار سے.....لیکن انسان اور میری جاتی کے لوگ صدیوں سے دیوانے ہیں آقا.....صدیوں سے.....اور اسی آگاہی کی وجہ سے انسان دیوانہ ہے وہ چھوٹی سی ناپائیدار زندگی میں ہمیشہ کی بقا چاہتا ہے.....کیا اس احساس کے ساتھ کوئی دیوانے پن سے بچ سکتا ہے....."

سارے میں خاموشی چھا گئی۔

گیدڑ نے دل ہلائی اور فخر سے بولا....." آقا! اب بات واضح ہے موت کا احساس انسان اور گدھ کی سرشت کا حصہ ہے جو فیصلے رب اور اس کی مخلوق کے

درمیان ہوں ان فیصلوں پر ہم قادر نہیں موت سے آگاہی کا مسئلہ گدھ اور اس کے رب کے درمیان ہے ہم کو اس جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہیئے ۔کون جانے اصلی مسئلہ کیا ہے۔"

"لیکن یہ آگاہی..... یہ احساس اولاد اس کی سرشت میں نہ تھا۔؟"

راجہ گدھ نے پرنام کے انداز میں پر جوڑے اور بولے..... "چیل جاتی کی ملکہ دیکھ تو اپنے آپ کو شانت رکھ! اور میرے رب اور اس کی بنائی ہوئی سرشت کو سمجھنے کی کوشش نہ کر..... ہم تو خود ہجرت کرنے والوں میں ہیں ہمارے لیے قیام اور سفر میں فرق نہیں لیکن جانے سے پہلے ہمیں کچھ عرض کرنا ہے۔"

گیدڑ نے اونچے اونچے رو کر کہا..... "یہ تو کیا کر رہا ہے راجہ گدھ۔!"

راجہ گدھ نے نظریں جھکا کر جواب دیا..... "آقا! ہم جا رہے ہیں ہرے بھرے جنگلوں کو چھوڑ کر اجڑے بنجر علاقوں کی طرف لیکن ایک غلط فہمی میں مت رہنا ..... دیوانگی دو طور کی ہوتی ہے..... ایک دیوانہ پن وہ ہوتا ہے جس کی مختلف وجوہات بہان بیان کی گئیں..... جن کی وجہ سے حواس مختل ہو جاتے ہیں اور انسان کائنات کی ارذل ترین مخلوق بن جاتا ہے..... لیکن ایک دیوانگی وہ بھی ہے جو انسان کو ارفع و اعلےٰ بلندیوں کی طرف یوں کھینچتی ہے جیسے آندھی میں تنکا اوپر اٹھتا ہے ..... پھر وہ عام لوگوں سے کٹتا جاتا ہے..... دیکھنے والے اسے دیوانہ سمجھتے ہیں۔لیکن وہ اوپر اوپر اور اوپر چلتا جاتا ہے..... حتیٰ کہ عرفان کی آخری منزلیں طے کرتا ہے ..... عام لوگ اسے بھی پاگل سمجھتے ہیں..... لیکن انسان جب بھی ترقی کرتا ہے پاگل ہوتا ہے..... اس وقت وہ ایسے زہر آگیں بم بنا رہا ہے جن سے یہ کرہ زمین تباہ ہو سکتی ہے..... یہ اس کے دیوانے پن کی دلیل ہے..... لیکن جب اس کرہ ارض کو بچانے کی ضرورت آئے گی۔تب بھی ایک مقدس دیانے آئے گا..... کاش ملکہ چیل کو میرے دیوانے پن پر اس قدر اعتراض نہ ہوتا تو ہم پونر دوں کے لیے نئی سمتیں

نئے دروازے ..... نئی جہتیں کھول دیتے ہمارا دیوانہ بھی عرفان کی ایک شکل ہے ".....

راجہ گدھ نے اپنی برادری کا حکم دیا اور وہ چپ چاپ پرے باندھ کر جنگل سے نکل گئے۔ آہستہ آہستہ تمام پرندے جنگل سے کھسکنے لگے۔ برگد کے درخت میں روشنی نہ رہی صرف دیر تک چیل برادری کے لوگ چپ چاپ تال میں بیٹھے رہے اور ہاتھی ڈوباؤ گھاس سے سانپوں کی سائیں سائیں فیڈ بیک ہوتی رہی۔

☆☆☆☆☆

بظاہر امتل کی موت کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ لیکن دفتری کام کرنے کی ..... اہلیت اچانک مجھ میں نہ رہی اور میں نے دفتر سے چھٹی لے لی۔ ادھر بھابھی صولت میرے لیے لڑکی تلاش کرنے میں مصروف تھیں ادھر میں کمرے اور کوٹھے کی چھت پر گھومتا رہتا بے مصرف بے ارادہ جاگتے میں سونا اور سوتے وقت چوکس رہنا میرا معمول ہو گیا۔ پہلے مجھے انہماک سے کتابیں پڑھنے کی عادت تھی اب مطالعہ عبث خیالات کے ہیر پھیر کا باعث ہوتا پہلے میں نے کئی ناول شروع کیے لیکن تعجیل کی وجہ سے میں آخری صفحے پہلے پڑھ لیتا، پھر باقی ناول پڑھنے میں لطف باقی نہ رہتا۔ سیاست، سوچیالوجی اور سائیکالوجی کی کتابیں دلچسپ تھیں لیکن ان کے مطالعے میں دماغی توجہ کو دوڑنے پھرنے کی مہلت نہ ملتی۔ ایک ایک جملہ کئی کئی بار پڑھنا پڑتا پھر کچھ عرصہ میں نے جاسوسی کہانیوں سائنس فکشن پر بسر کیا۔ ان کی طلسماتی فضا بھی موافق نہ آئی جنس اور شادی سمدہ محبت کے متعلق کتابوں سے بازار بھرے پڑے تھے۔ ان کتابوں میں وہی بات بار بار دوہرائی جاتی تھی۔ جس کی وجہ سے دو چار کتابوں کے بعد دلچسپی کا گراف گرنے لگا۔ سفر نامے اور یادداشتیں وقت کٹی کا باعث ہوتیں اگر میں موجود رہ سکتا مطالعے میں جو سب سے بڑی مشکل درپیش تھی وہ یہی تھی کہ کاغذ کی سطح پر الفاظ کے ساتھ ساتھ واقعات، چہرے، کیفیات، باتیں حتیٰ

کہ خوشبوئیں بھی تیرنے لگتیں دماغ کہیں کا کہیں بھٹک جاتا اور ایک ایک صفحہ کئی کئی گھنٹوں میں ختم ہوتا۔ کتابوں کی پناہ جب تمام وجود کو مرکز پر لانے سے قاصر رہتی تو میں اٹھ کر باہر شہ نشین پر جا بیٹھتا کبھی کبھی آسمان کو تکتے مجھے آدھی رات ہو جاتی چاند راتوں میں مجھے لگتا جیسے میں ثقل مہتاب کے ساتھ اوپر کی طرف اٹھ رہا ہوں بالکل سمندر کی لہروں جیسی بیتابی مجھ میں پیدا ہوا جاتی۔ چاند کی روشنی میرے وجود میں شبنم کی طرح اترتی اور میں محسوس کرتا کہ میرا جسم پتھر کی طرح ٹھنڈا رہنے لگا ہے ایسے میں بار بار میں اپنے ہاتھ پوؤں دیکھتا اس روشنی میں مجھے اپنے جسم پر قلعی کیے ہوئے برتن کا شبہ ہوتا۔ میری آرزو ہوتی کہ میں کسی سارس کی طرح پہروں ایک ہی ٹانگ پر کھڑا رہوں چپ چاپ!

جسمانی طور پر بھی میں نارمل نہ تھا سارا منہ کڑوا رہتا اور زبان پر کتھئی رنگ کا لیپ چڑھا نظر آتا۔ دن کے وقت میں ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کچھ نہ کچھ کھانے کی کوشش کرتا۔ لیکن سہ پہر کے قریب ایک غبار سا دماغ کو چڑھنے لگتا پہلے معدے میں جلن شروع ہوتی پھر جلن کا غبار بن کر سینے میں اوپر کی طرف اٹھنے لگتا۔ مجھے محسوس ہوتا کہ تھوڑی دیر بعد میرا دل بند ہو جائے گا کئی گولیاں اور مکسچر میرے پاس جمع ہو گئے تھے اصلی دورہ رات کو ایک اور تین کے درمیانی وقفہ میں شروع ہوتا اس وقت میرے ہاتھ پاؤں میں پہلے چیونٹیاں سی چلتیں بعد میں سارے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا اس لرزے کی وجہ سے میں خ ﷺ ف زدہ رہتا دن کے وقت بھی مجھے اس لرزے کا خوف متوحش کرنے کو کافی تھا میرے آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں اور کان باہر کو نکلے ہوئے دکھائی پڑتے۔ ہوتھوں کو دیکھتے رہنا میرا محبوب مشغلہ تھا ان کا کھردرا پن ہیت ناخن ہاتھوں کی لکیریں میری دلچسپی کا باعث تھیں السر کی تکلیف کے باعث میں بار بار ڈاکٹر سے ملتا ایک ڈاکٹر تسلی بخش ثابت نہ ہوتا تو پھر کسی اور ماہر کے پاس منتقل ہو جاتا حالانکہ میرے اندر غالباً یہ آرزو

تھی کہیں میں ٹھیک نہ ہو جاؤں میں anxiety اور withdrawal کی وجہ سے کبھی دوست نہ بنا سکا کالج کے دوست تو چھوٹ ہی چکے تھے اب ریڈیو سٹیشن سے بھی کوئی ملنے آ جاتا تو میں یہ بہانا بنا دیتا کہ میں گھر پر نہیں ہوں ..... میں اندر سے یوں یخ ہو چکا تھا جیسے کنویں میں اگے ہوئے خودرو پودے .....

اول تو میں ساری رات جاگ کر گزارنے کا خواہش مند رہتا۔ لیکن اگر ڈاکٹر کی دی ہوئی خواب آور دوائیوں سے نیند آ جاتی تو اچانک پسینے میں شرابور آدھی رات کو آنکھ کھل جاتی جونہی آنکھ کھلتی مجھے محسوس ہوتا جیسے کمرے میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی زیادتی ہے اور میں آسنوگیس کے مرض میں مبتلا ہوں ایسے میں میرے پھیپھڑے شدید گھٹن محسوس کرتے لیکن مجھے کھانسی نہ آتی فقط حلق کا پردہ بند ہونے لگتا میرا منہ ایسے سوکھ جاتا جیسے میں صحرائے گوبی میں سفر کر رہا ہوں ہڑبڑا کر میں بستر چھوڑ دیتا گرمیوں کا اغاز تھا نلکے کے نیچے سر رکھ کر میں پانی کھول دیتا۔ جب ٹھنڈے پانی کی جھلار سے کچھ آفاقہ ہوتا تو پھر میں باہر کوٹھے پر جا کر شہ نشین پر جا بیٹھتا یہاں بھیگے سر کی وجہ سے ایک بار بلبلا کر تھرتھری چھوٹ جاتی ایسا لرزہ طوری ہوتا کہ پاؤں کے انگوٹھے تک کانپتے نظر آتے کبھی کبھی میرا جی چاہتا کہ میں نیچے جا کر صولت بھابھی سے اپنی حالت کہوں اور پھر ان کے گلے لگ کر اونچے اونچے رونے لگوں ..... لیکن بھابھی صولت اور بھائی مختار گڈی کاغز میں لپٹے رہتے تھے ایسے کہ نظر تو آتے لیکن ان تک رسائی نہ ہو سکتی۔

نیند کا وقفہ گو کم تھا لیکن ان میں آنے والے خواب لاتعداد تھے۔ خوابوں میں نہ کبھی سیمی نظر آئی نہ عابدہ نہ امتل ..... بلکہ ایسی انجانی لڑکیاں جو کبھی کبھار ریڈیو سٹیشن پر نظر آتی تھیں جب بھی کوئی لڑکی مجھے خواب میں دکھائی دی اس کا دہن ہمیشہ پھٹا ہوا ہوتا جیسے ہاتھ ڈال کر مچھلی کے گلپھڑے نکال لیے جائیں ایسے ہی لڑکی کی زبان دانتوں کے اندر سے نظر آتی بے آباد ریگستان اور ریگستانوں میں گھومنے والا

چھوٹا سا خرگوش بمباری سے تباہ شہر اور شہر میں بجنے والا اکلوتا سائرن ..... اندھے کنویں میں مصلوب کتا ..... بنجر زمین میں مری ہوئی ویل مچھلی بغیر پائیلٹ کے اڑنے والا جہاز پانیوں کے بغیر کھدی ہوئی نہریں ..... انسانی ڈھانچے قبروں کے اندر اور باہر ٹن ٹن ٹوٹنے والے برتن ..... اور ان سب خوابوں میں ہر جگہ خالی براؤں گدھ ..... چپ چاپ دم سادھے ..... شانت پرانت ..... ٹولی در ٹولیجرت کرتے ہوئے جنگل سے کوچ کرتے ہوئے۔

جاگنے کا سماں سونے کے وقت سے بھی نرالا تھا۔

صبح شیو کرتے وقت مجھے اپنی شکل یوں نظر آئی جیسے روشنی کی سفید کرن طیف منچوری میں سے نکل کر سر رنگوں میں بدل جاتی ہے سادہ شیشے میں میری شکل کئی چکلوں میں منتقل ہو جاتی کسی عکس میں مونچ غائب ہوتی۔ کسی حصے میں بابر بادشاہ جیسی ڈاڑھی نظر آتی کبھی کبھی اوپر والے ہونٹ پر لپ سٹک لا لیپ ہوتا۔ ناک میں چھوٹی سی نتھنی ہوتی کبھی کسی چہرے کی آنکھیں غائب ہوتیں آئینے میں نظر آنے والی صورتوں سے میں خوفزدہ ہو جاتا۔ پھر میں الماری کھول کر اندر دیکھا مجھے یقین تھا کہ الماری میں ٹرنک کے اندر گدے کے نیچے مجھ سے مشابہ کئی بونے رہتے ہیں اور کسی دن مجھے اکیلا پا کر وہ مجھ پر اچانک حملہ آور ہو جائیں گے۔

چونکہ میرا دن زیادہ تر گھر پر گزرتا اس لے لوگوں سے ملاقات نہ ہو سکتی۔ اسی دوران ایک دو خط ڈاکٹر سہیل کے آئے۔ وہ امریکہ میں دھڑا دھڑ تجربات علمی وسعت اور مغربی کلچر سیکھ رہا تھا۔ اس کے ایک خط میں درج تھا کہ وہ ایک ٹاپ لس بار پر گیا۔ لیکن ایسی جگہیں اتنی ہلا دینے والی ہوتیں ہیں کہ دوبارہ جانے کی ہمت نہیں ہوئی مجھے وہاں کا کلچر اور اپنے کلچر کے تقاب؛ میں کوئی دلچسپی نہ تھی امریکہ اخلاقی طور پر تنزل کی طرف راغب تھا کہ سائنسی اعتبار سے عروج کی جانب مجھے کسی ملک کسی مذہب کسی انسان کے عروج اور زوال کی پروا نہ تھی میں نے پہلے

پروفیسر سہیل کو خط لکھنے چاہے لیکن اب میں سہیل کے مشورہ سے آگے نکل گیا تھا۔ اعتل کے مرنے کے تیسرے روز بعد مجھے آفتاب کا خط بھی ملا لیکن چونکہ اس میں کوئی پتہ نہیں تھا اس لیے میں جواب دینے کے فرض سے آزاد ہو گیا۔ ہاں یہ بات اس میں قابل ذکر تھی۔

''میرا خیال تھا تم سینی کے بہت قریب ہو لیکن سیمی کے بعد تم نے بھی مجھے خط نہیں لکھا...... کیا بات ہے کیا وطن میں کسی کو بھی پروا نہ تھی...... وہ کیسے مری؟ ...... کیوں مری...... تمہیں تو معلوم ہو گا؟۔''

کئی دن میں یہ خط پڑھتا تہا میں نے خواب بھی لکھا پھر مجھے محسوس ہوا جیسے آفتاب نے جان بوجھ کر مجھے ایڈریس نہیں لکھا۔ وہ میرے خط کا منتظر نہ تھا۔ شاید اسے سیمی کے متعلق درست انفرمیشن بھی درکار نہ تھی۔

تنہائی بیماری، غم خوری اور بے اعتدال عادتوں کے باعث میں جلد کسی ہسپتال میں پہنچ جاتا اگر بھابھی صولت میرے لیے ایک لڑکی تلاش نہ کر لیتی۔ اس روز اچانک آسمان ابر آلود ہو گیا۔ سارے آسمان پر بھاری پستانوں کی شکل کے گول گول بادل چھائے تھے آسمان مایکل انیجلو کی بنائی ہوئی تصویر نظر آتا تھا۔

میں چہ نشین پر بیٹھا تعجب سے آسمان کے ان ہی بادلوں میں حلوں کرنے کی کوشش کر رہا تھا جب بھابھی صولت اوپر آئیں وہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر رک گئیں۔

''قیوم!۔''

''جی۔؟۔''

''اوپر کیا دیکھ رہے ہو۔''

''بادل دیکھ رہا تھا۔'' میں نے نظریں جھکا کر کہا

''تمہارے لیے میں نے لڑکی تلاش کر لی ہے۔''

''میں عابدہ کی بہن سے شادی نہیں کروں گا۔''

''نہیں بھئی..... وہ نہیں یہ اور..... ہے۔''

وہ شہ نشین پر پہلی مرتبہ میرے قریب بیٹھ گئیں..... ''ستاروں نے بھی اسے بے نقاب نہیں دیکھا صوم وصلوۃ کی پابند..... سلائی کڑھائی اچھی..... کھانا پکانا جانتی ہے بڑے اچھے لوگ ہیں۔''

''آپ تسلی کرلیں۔''

''بالکل باکرہ باعصمت لڑکی ہے جیسی تمہیں درکار ہے بالکل ویسی۔''

پہلی مرتبہ میں نے جرائت کے کے پوچھا..... آپ کو کیا معلوم ہے کہ مجھے کیسی لڑکی چاہیئے۔

بھابھی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا..... ''مجھے معلوم ہے ناں..... تم چاہتے ہو کہ..... کہ تمہیں ایسی لڑکی ملے جو پہلی نظر میں تمہاری ہو جائے۔ ہے نا؟''

میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''جی ایسی..... کہاں.....!''

''بس وہ ڈبے میں پیک ہے پوری طرح..... تم ہی اس کا کاربن کھولو گے پہلی بار۔''

میں چپ ہو گیا۔

''کوئی فکر نہ کرو قیوم وہ خوبصورت بھی بہت ہے۔ پڑھی لکھی تو خیر زیادہ نہیں لیکن خوبصورت بہت ہے۔''

مجھے سردست لڑکی میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ میں نے نگاہیں آسمان پر جمالیں وہاں بڑے بڑے مرور پستانوں جیسے بادل ساکت کھڑے تھے مجھے یوں لگا جیسے ابھی ان میں سے دودھ برسنے لگے گا۔

''مجھے افسوس ہے۔''

''کس بات کا بھابھی؟۔''

''ہر بات کا..... اماں جی کی موت کا..... ابا جی کے پاگل پن کا..... اور..... اور .....''

ہم دونوں نے ایک دوسرے سے منہ پھیر لیا اور وہ چپ چاپ نیچے چلی گئی۔ میری نظروں میں چندرا گھوم گیا۔

ہمارے گاؤں کو مکمل طور پر کلر کھا گیا تھا۔ آخری بار جب بھائی مختار ابا سے ملنے گئے تو انہوں نے مجھے بھی ساتھ چلنے کو کہا..... لیکن میں اخری بار ابا سے مل چکا تھا مجھے معلوم تھا کہ ابا حویلی چھوڑ کر کبھی لاہور نہیں آئے گا پھر بھی میرے اندر ہی اندر کہیں آرزو تھی کہ ابا لاہور آجائے مجھے وہ ماں کی آخری نشانی لگتا تھا۔ میں بھائی مختار کی آمد و رفت میں قطعی کوئی دلچسپی نہیں لیتا۔ لیکن جس روز انہیں شیخوپورہ سے واپس آنا تھا میں ایک موہوم امید کے ساتھ ریلوے سٹیشن پر پہنچا۔ وہ گاڑی سے اترے ابا ان کے ساتھ نہیں تھا مجھے سٹیشن پر پا کر لمحہ بھر کے لیے ان کی آنکھوں میں حیرانی آئی اور پھر انہوں نے مجھے بیگ ایسے پکڑا دیا جیسے انہوں اسٹیشن پر لینے جانا میرا معمول ہی ہو۔

ہم دونوں چپ چاپ ٹیکسی میں بیٹھ گئے مجھے کچھ پوچھنے کی ہمت نہ تھی وہ کچھ بھی بتانے پر رضامند نہ تھے سارا راستہ میں شیشے سے باہر دیکھتا رہا اور وہ سیٹ کی پشت سے سر لگائے آنکھیں بند کیے اصل موضوع سے گریزاں رہے جب ہم دونوں کرشن نگر کی حدود سے آگے کھیتوں کھلیانوں والے حصہ میں پہنچے تو میں نے ڈرتے ڈرتے بھائی مختار پر نظر ڈالی۔

''گاؤں کیسا تھا؟''

انہوں نے بغیر آنکھیں کھولے کہا..... ''اب گاؤں کہاں؟ لوگ سب چلے گئے ڈھور ڈنگر مر کھپ گئے۔ مکان تقریباً گر گئے کنوئیں تال سب کھاری پانی سے بھر گئے

گاؤں اب کہا؟۔"

"اور ابا؟۔"

مختار بھائی چپ ہو گئے۔

"ابا کو ساتھ نہیں لائے آپ۔"

"وہ نہیں آ سکتا اب۔"

"کیو؟....."میرا دل دھڑکنے لگا۔

پہلی بار بھائی ختار نے اتنی لمبی بات کی....."جس روز میں رات کو پہنچا ہوں وہ اوپر والے چوبارے پر کھڑا تھا۔ میں بھی اوپر چلا گیا اس نے مجھے پہچانا نہیں ..... میں پاس گیا..... سلام کیا..... ابا بولا..... چلو میں تیار ہوں اتنی دیر کیوں لگائی میں تو ہر روز تمہاری راہ دیکھتا تھا پھر ابا اتنی تیزی سے نیچے اترا کہ میں حیراہ رہ گیا چلو..... سیڑھیوں سے اتر کر اس نے کہا اب کل چلیں گے ابا آج تو نہیں جا سکتے ناں کل شیخوپورہ سے روانہ ہوں گے یہ بات سن کر اس نے مجھے غور سے دیکھا دیکھتا رہا اور اچھا اچھا کہتا رہا بہت دیر کے بعد دیوار کے ساتھ لگ کر بولا لیکن میں شیخوپورہ تو جانا نہیں چاہتا مجھے وہاں کیوں لے جانا چاہتے ہو؟ تم مختار بھائی کے پاس سے نہیں آئے؟..... نہیں ابا لاہور چلیں گے..... میں نے جواب دیا وہ چپ ہو گیا اور جیسے کچھ سوچتے ہوئے بولا..... کون ہو تم؟..... جب میں نے اپنے باپ سے اپنا تعارف کرایا تو اس نے کہا۔ اچھا میں کچھ اور ہی سمجھا تھا تم وہ نہیں ہو جس کا مجھے انتظار ہے۔"

ڈرتے ڈرتے میں نے سوال کیا....."اسے کس کا انتظار ہے مختار بھائی۔"

"وہ..... وہ موت کا انتظار کر رہا تھا۔ شاید جس روز سے وہ پیدا ہوا ہے اسی روز سے اسے موت کا انتظار ہے لیکن..... اب وہ مزید برداشت نہیں کر سکتا۔ رات کو میں اسے مناتا رہا کہ وہ میرے ساتھ لاہور چلا آئے لیکن وہ بولا نہیں مانا نہیں بس

چپ چاپ چھت کی طرف دیکھتا رہا صبح میں اٹھا تو وہ اپنے پلنگ پر نہیں تھا۔"

"کہاں گیا؟۔"

"پتہ نہیں..... تین دن مسلسل میں اس کی تلاش کرتا رہا لیکن وہ مجھے کہیں نہیں ملا شاید..... وہ اب اور انتظار نہیں کر سکتا۔ یا شاید وہ کہیں چلا گیا سڑکوں پر مزاروں پر ..... بازاروں میں..... ایسے لوگ ہوتے ہیں ناں قیوم۔"

بھائی مختار خاموش ہو گئے ہم ساند کلاں کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ ہم دونوں میں جو سانجھا رشتہ تھا تین دن کی مسلسل کوشش کے باوجود اس رسی کو وہ ساتھ نہ لا سکا جس پر چل کر ہم نٹ بازی گروں کی طرح ایک دوسرے کی طرف بڑھ سکتے تھے۔ ابا شاید ان لوگوں میں سے تھا جو ساری عمر موت سے محبت کرتے ہیں انہیں زندگی سے اگر پیار بھی ہوتا تو وقتی..... موت ہی کی کشش انہیں زندی رہنے پر مجبور کرتی ہے!۔

میں اور بھابھی صولت خاموشی سے ٹیکسی میں بیٹھے رہے موچی دروازے کے باہر جہاز مونگ پھلی چلغوزے اور دیگر ڈرائی فروٹ کی دوکانیں ہیں۔ بھٹیاں بھنے ہوئے چنے پھلیاں تھوک کے بھاؤ بیچتے ہیں یہاں ہم نے ٹیکسی چھوڑ دی اور پیدل چل دیے..... گرمیوں میں یہ بازار باہر کی نسبت بہت ٹھنڈا تھا اس بازار کی اشیاء لوگ اور بولی سن کر لگتا تھا جیسے ہم کسی قصابی علاقے میں آ گئے ہیں چھوٹی اینٹوں کے مکان تین تین منزلہ اوپر کر نکلے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے اوپر جا کر ان کے ماتھے آپس میں مل جائیں گے۔

اچار والوں کی دوکان کے پاس سے جہاں سامنے ہی پتنگوں والے نے بڑے بڑے قد آدم پتنگ سجا رکھے تھے ہم ایک بغلی گلی میں مڑ گئے۔ یہاں ہی اس گلی میں روشن کا مکان تھا یہ مکان ضرور غدر سے پہلے تعمیر ہوا ہوگا اس کے چھجے شہ نشین

کھڑکیاں اندر داخل ہونے والا دروازہ سب علی بابا کے عہد کی چیزیں تھیں اندر مکان کے فرشوں میں کالی سیاہ شطرنج بچھی تھی۔ جس کمرے میں ہمیں بٹھایا گیا وہ بیک وقت بیٹھک آفس اور مہمان خانہ تھا۔ ایک کونے میں ہر ٹیبل فین پڑا تھا جو ہماری آمد سے لے کر ہماری رخصتی تک بہت کوشش کے باوجود ایک بار بھی نہ چلا۔ صوفوں پر سفید چادریں اور پلنگ پر کڑھائی سے اٹا ہوا لیس لگا پلنگ پوش چھا تھا۔

ہماری آمد کے بعد روشن کی ماں آئی ماں کے بعد روشن کی دو چھوٹی بہنیں دو ممانیاں اور پھر ایک پھوپھی آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے بعد مرد آنے شروع ہوئے آہستہ آہستہ کمرے میں کوئی ایسی جگہ نہ تھی جس پر کوئی بیٹھا نہ تھا۔ میزوں پر کوکا کولا پھل موچی دروازے کی خاص مٹھائی شامی کباب اور جانے کیا کیا سجا دیا گیا وہ تمام لوگ نروس ہونے کی وجہ سے خاموش تھے صرف گلبرگ میں بیاہی ہوئی ایک پھوپھی اپنے رتبے کے اعتبار سے بات چیت کرتی رہی۔

''آپ ریڈیو سٹیشن پر کام کرتے ہیں ناں..... پھوپھی نے سوال کیا۔''

''جی۔''

''آج کل چھٹی پر ہیں ان کی طبعیت کچھ ٹھیک نہیں آجکل .....'' بھابھی صولت نے میری طرف سے جواب دیا۔

''آپ حامد صاحب کو جانتے ہیں؟''

''کون سے حامد صاحب۔''

''وہ میرے شوہر کے کزن ہیں ریڈیو سٹیشن پر انجنیر ہیں۔''

مجھے چھوٹے سے قد کے سیامی بکری جیسے حامد صاحب یاد آ گئے۔

''جی جانتا ہوں''

''ذکی صاحب کے گھر بھی آنا جانا ہے ہمارا۔''

''کون ذکی صاحب.....؟'' میں نے سوال کیا۔

''وہ ڈراموں میں کام کرتے ہیں بڑی مزاحیہ طبعیت ہے ان کی ..... میرے بچے انہیں بہت پسند کرتے ہیں جب بھی ہمارے گھر میں کوئی فنکشن ہوتا ہے وہ ضرور آتے ہیں اپنے سازندے بھی لے کے آتے ہیں ریڈیو سٹیشن کے۔ انہیں بڑے فلمی گانے آتے ہیں۔''

مجھے سرے سے یاد نہیں آرہا تھا کہ ذکی صاحب کون ہے لیکن میں نے لاعلمی ظاہری کر کے پھوپھی کو شاک کرنا مناسب نہ سمجھا

''بڑے اچھے آرٹسٹ ہیں۔''

''ان کو تو فلم میں کئی آفر آچکی ہیں لیکن وہ جاتے نہیں کہتے ہیں فلم کا ماحول خراب ہوتا ہے ..... بڑے شریف آدمی ہیں ہم جب بھی پارٹی کرتے ہیں انہیں ضرور بلاتے ہیں کوئی مانڈ نہیں کرتا۔''

موچی دروازے کی باقی سادہ لوح عورتیں تحیر سے ہم دونوں کی باتیں سن رہی تھیں۔ شلوار قمیضوں میں ملبوس تاجر پیشہ، دوکاندار مرد کھانے کی چیزیں لانے میں مصروف تھے پھوپھی کی معلومات کے آگے کسی کا دیا جل ہی نہیں سکتا تھا۔

بڑی دیر تک پھوپھی جان مجھ سے گلبرگ والوں کی باتیں کرتی رہیں۔ پھوانہوں نے اس سامان کا ذکر شروع کر دیا جو وہ حال ہی میں ہانگ کانگ سے لائی تھیں اس کے بعد انہوں نے اپنے بچوں کی پڑھائی کے مسئلے پر مجھ سے رائے چاہی اس موضوع کے بعد انہوں نے پاکستانی کردار کی دھجیاں بکھیریں ہم لوگ دوسرے ملکوں کے مقابلے میں کس قدر پست کردار ہیں اور کیوں ہیں اس کا تجزیہ کیا حالیہ سیاست پر اظہار خیال ہوا یہ ٹاپک ختم ہوتو انہوں نے مرد عورت کے باہمی تعلقات اور مرد کی فطری کمزوری اور جبلی کمینگی پر بڑی فصیح گفتگو کی اس دوران بھابھی صولت مکان کے اندر روشن سے ملنے چلی گئیں۔

بڑی دیر بعد بھابھی صولت باہر آئیں تو ان کے ساتھ روشن تھی۔